امام قشیریؒ کی تفسیر لطائف الاشارات کے منہج واسلوب کا علمی و تحقیقی جائزہ

An Academic and Analytical Review of the Methodology and Style of Imam al-Qushayri's Tafsir Lata'if al-Isharat"

Ijaz ul Haq
PhD Scholar,
Department of Islamic Studies and Religious Affairs,
University of Malakand
Email: ijazulhaqkhan2205@gmail.com
Dr Badshah Rehman
Associate Professor,
Department of Islamic Studies and Religious Affairs,
University of Malakand
Email: badshahrehman@uom.edu.pk
Dr. Najmul Hassan
Associate Professor,
Department of Islamic Studies and Religious Affairs,
University of Malakand
Email: dr.najmulhassan@uom.edu.pk

Abstract:
In Islamic studies, the interpretation (Tafsir) of the Holy Qur'an has always held a central and important position. From the time of the Prophet Muhammad ﷺ until today, Muslim scholars have adopted different methods to explain the Qur'an. These include linguistic, rhetorical, juristic, theological, philosophical, and mystical (Sufi) approaches. Among these, the mystical or Sufi method is unique because it focuses on the inner and spiritual meanings of the Qur'an.The main purpose of Sufi interpretation is not only to explain the outward meaning of the Qur'anic words but also to understand their deeper spiritual message. Through this approach, readers are guided towards self-purification (Tazkiyah al-Nafs), spiritual growth, and the knowledge of Allah (Ma'rifah).One of the most important and well-known works in this field is Lata'if al-Isharat, a three-volume Qur'anic commentary written by Imam Abu al-Qasim al-Qushayri (d. 465 AH). Imam al-Qushayri is regarded as one of the leading scholars of both Qur'anic interpretation and Islamic mysticism (Tasawwuf). His famous book Al-Risalah al-Qushayriyyah is one of the earliest and most reliable works on the principles and stages of Sufism.His spiritual insight is also clearly reflected in Lata'if al-Isharat. This commentary is not only an explanation

of the Qur'an but also a valuable source of spiritual and moral guidance. One of its unique features is that Imam al-Qushayri explains the concepts, terminology, and teachings of Sufism through Qur'anic verses with strong evidence. He presents these ideas with great scholarly depth and spiritual wisdom, making the book beneficial for both scholars and seekers of spirituality.

Imam al-Qushayri's Lata'if al-Isharat is also a comprehensive guide to spiritual, psychological, and moral development. In this commentary, he explains the inner reform of human beings from intellectual, spiritual, and psychological perspectives. Through the verses of the Qur'an, he describes the different stages of the human soul (Nafs) and the principles of its purification.According to Imam al-Qushayri, the purification of the soul is not only a means of achieving moral excellence but also the foundation of spiritual balance and inner peace. He identifies three major states of the human soul: Nafs al-Ammarah (the soul that commands evil), Nafs al-Lawwamah (the self-reproaching soul), and Nafs al-Mutma'innah (the soul at peace). In his view, Nafs al-Ammarah is controlled by desires and passions, Nafs al-Lawwamah represents self-examination and repentance, while Nafs al-Mutma'innah reflects spiritual satisfaction, inner peace, and closeness to Allah.

Keywords: Lata’if al-Isharat, Imam al-Qushayri, Muhasabah al-Nafs, muraqabah, Nafs al-Ammarah, Nafs al-Lawwamah, Nafs al-Mutma’innah, spirituality

تعارف موضوع:

تمام تعریفات اس ذات کے لئے ہیں جس نے تمام مخلوقات کو عدم سے وجود دیا۔ ہم سب ان کے حکم کا محتاج اور وہ کن فیکون ذات ہے۔ جس نے تمام چیزوں کو اشرف المخلوقات کے لئے تابع اور ان کے فائدے میں لگایا۔ انس و جن کو اپنی بندگی اور عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ مثلا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ([1])ترجمہ:"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں"([2])اس کے بعد لاکھوں درود و سلام ہو سرور کونین محمد مصطفی ﷺ پر جس نے اللہ کے تعلیمات اور وحی سے انسانیت کو اندھیروں اور ذہنی پسماندگی سے نکال کر علم و حکمت کے زیور سے مزین کیا۔ اور اپنے مبارک احادیث اور سنتوں سے اس کو عملی شکل وصورت دیا کہ ائیندہ امت کے لئے مشعل راہ بن سکیں۔ آپ ﷺ کے اولین شاگرد صحابہ کرام تھیں انہوں نے آپ ﷺ کو وحی اور فرشتوں کے نزول کو براہ راست اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس پر من و عن عمل کرکے یہ ثابت کیا کہ آپ ﷺ کی پیروی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

اسلامی علوم میں قرآن مجید کی تفسیر کو ہمیشہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ عہد نبوی ﷺ سے آج تک مفسرین نے قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کے مختلف مناہج اختیار کیے ہیں، جن میں لغوی، بلاغی، فقہی، کلامی، فلسفیانہ اور عرفانی مناہج شامل ہیں۔ ان تمام میں عرفانی یا صوفی تفسیر کا ایک الگ اور منفرد اسلوب ہے جس میں قرآن مجید کی باطنی معانی پر تدبر کیا جاتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں اس طرزِ تفسیر کا بنیادی مقصد ظاہری الفاظ سے ہٹ کر باطنی معانی تک رسائی حاصل کر کے قاری کو باطنی تزکیہ نفس اور معرفتِ الٰہی کے مراحل سے روشناس کرا کر گزارنا ہوتا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک اہم اور معروف تفسیر "لطائف الاشارات" تین جلدوں میں ہیں ،جو امام ابو القاسم القشیریؒ (م:465ھ)([3]) کی تصنیف ہے۔امام قشیریؒ نہ صرف صوفیانہ علمِ تفسیر میں نمایاں مقام رکھتے ہیں بلکہ علمِ تصوف کے بھی بڑے امام شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی کتاب رسالۃ القشیریہ تصوف کے علوم اور منازل کی ابتدائی اور معتبر کتب میں سے ہے۔ اسی عرفانی بصیرت کا مظہر ان کی تفسیر" لطائف الاشارات" ہے جس میں نہ صرف قرآن مجید کی تفسیر ہے بلکہ روحانی و باطنی تربیت کا عظیم ذخیرہ بھی۔ اس تفسیر کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ امام قشیریؒ نے تصوف کے اصطلاحات ،افکار و نظریات کو قرآنی آیات کے ذیل میں مدلل انداز سے اخذ کر کے اس کے مفاہیم کو ایسی علمی اور روحانی گہرائی سے پیش کیا کہ اہلِ علم و اہلِ دل دونوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن گئی ہے۔

امام قشیریؒ کی تفسیر لطائف الاشارات دراصل روحانی، نفسیاتی اور اخلاقی تربیت کا ایک مجموعہ ہے جس میں انسان کی باطنی اصلاح کو فکری، روحانی اور نفسیاتی تمام جہتوں سے بیان کیا گیا ہے۔ امام قشیریؒ نے قرآنِ مجید کی آیات کے ذریعے نفسِ انسانی کے مختلف مدارج اور اس کی تربیت کے اصول واضح کیے ہیں۔ ان کے نزدیک نفس کا تزکیہ صرف اخلاقی بلندی کا نام نہیں بلکہ روحانی توازن اور ذہنی سکون کے قیام کا ذریعہ ہے۔ امام قشیریؒ نے نفسِ امارہ، لوامہ اور مطمئنہ کی تین حالتوں کو انسانی نفسیات کی اساس قرار دیا۔ ان کے نزدیک نفسِ امارہ خواہشات اور شہوات کے تابع ہوتا ہے، نفسِ لوامہ خود احتسابی اور محاسبہ کی کیفیت کا مظہر ہے، جبکہ نفسِ مطمئنہ روحانی اطمینان اور باطنی سکون کی علامت ہے۔

امام قشیری کا نام، کنیت اور لقب:

آپ کا پورا نام عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک بن طلحہ بن محمد النیسابوری، استاد، ابو القاسم القشیری، جنہیں "زین الاسلام" کا لقب دیا گیا۔ "القشیری" لفظ "قشیر" سے ہے، جس میں قاف مضموم (پیش کے ساتھ)، شین معجمہ (نقطے والی شین) مفتوح (زبر کے ساتھ)، اور یا ساکن (جزم کے ساتھ) ہے، اور آخر میں

راہے۔[4] ان کا نسب ایک عرب قبیلے کی طرف جاتا ہے، کیونکہ وہ عرب اصل سے تعلق رکھتے ہیں۔ قبیلہ قشیر کی طرف منسوب ہیں، اور قشیر دراصل قشیر بن کعب بن عامر بن صعصعہ کی اولاد میں سے ایک شاخ ہے۔ بہت سے بڑے علماء اسی قبیلے کی طرف منسوب ہیں، جن میں امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری بھی شامل ہیں، جن کی وفات 261 ہجری میں ہوئی۔[5]

امام قشیریؒ کی پیدائش:

امام قشیری رحمہ اللہ کی پیدائش سنہ 376 ہجری میں ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ طبیب بغدادی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ان سے ان کی پیدائش کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ربیع الاول سنہ 376 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا انتقال اس وقت ہو گیا جب وہ ابھی بچے تھے۔[6]۔ ابو علی الدقاق اپنی سند بیان کرتے ہوئے کہتے تھے کہ: میں نے یہ تصوف کا راستہ نصر آبادی سے لیا، اور نصر آبادی نے شیبلی سے، اور شیبلی نے جنید سے، اور جنید نے سری سقطی سے، اور سری سقطی نے معروف کرخی سے، اور معروف کرخی نے داؤد طائی سے، اور داؤد طائی نے تابعین سے علم حاصل کیا۔[7]

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں استاد ابو علی الدقاق الحسین بن علی النیسابوری (406ھ)، ابو بکر الطوسی محمد بن بکر بن محمد (420ھ)، ابو بکر بن فورک محمد بن الحسن الاصبہانی (406ھ)، ابو اسحاق الاسفرائینی ابراہیم بن محمد بن مہران، شامل ہیں

تلامذہ:

شاگردوں میں احمد بن اسماعیل بن عیسیٰ ابو بکر الغزنوی الجوہری (519ھ)، وجیہ الشحامی، جن کی کنیت ابو بکر وجیہ بن طاہر بن محمد الشحامی 541ھ) محمد بن الفضل الفراوی (530ھ)، عبد الوہاب بن شاہ بن احمد بن عبد اللہ، ابو الفتوح الشاذانجی الجَزَری النیسابوری (535ھ)۔[8]

امام قشیری کے تصانیف:

ان کی اہم تصنیفات یہ ہیں: التیسیر فی التفسیر (مخطوط) یہ کتاب ۴۱۰ھ سے پہلے مکمل ہو گئی تھی۔ لطائف الاشارات (مطبوع) یہ ۴۳۴ھ سے پہلے مکمل ہوئی۔ الرسالۃ القشیریۃ فی التصوف (مطبوع)، حیاۃ الأرواح والدلیل إلی طریق الصلاح (مخطوط) الفصول فی الأصول (مخطوط)،[9]

وفات:

امام قشیری رحمہ اللہ کا انتقال اتوار کی صبح، سورج نکلنے سے پہلے، ربیع الآخر کی سولہ تاریخ (465ھ) کو ہوا۔ امام قشیریؒ کا انتقال باسٹھ سال اور چھیالیس سال اور نوّے سال سے زیادہ عمر میں ہوا۔ ان کے بڑے بیٹے نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اور انہیں اپنے شیخ ابو علی الدقاق کے پہلو میں مدرسہ میں دفن کیا گیا۔[10]

امام قشیریؒ کی تفسیر لطائف الاشارات کا تعارف اور منہج و اسلوب:

تفسیر اشاری کا تعارف:

صوفی یا اشاری تفسیر پر تحقیق کرنے کے لیے اس کے اسرار اور اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے لیے چند بنیادی معانی کو واضح کرنا پڑتا ہے۔ اس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس تفسیر سے کیا مراد ہے، اس کی ابتدا کیسے ہوئی، اس کا ارتقاء کس طرح ہوا، اور وہ کون سی شرائط ہیں جن کی بنیاد پر علماء اس تفسیر کو قبول کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ علماء کا اس تفسیر کے بارے میں کیا موقف ہے۔

صوفی تفسیر کی اصطلاحی تعریف: امام ذہبیؒ نے صوفی تفسیر کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

پہلی قسم: نظری صوفی تفسیر:

یہ ایسی تفسیر ہے جو پہلے صوفی کے ذہن میں علمی مقدمات کی بنیاد پر بنتی ہے، پھر بعد میں قرآن کو اس پر منطبق کیا جاتا ہے۔ اس کا قائل یہ سمجھتا ہے کہ آیت میں جتنے بھی معنی ممکن ہیں وہی مراد ہیں، اور اس کے پیچھے کوئی دوسرا معنی نہیں ہوتا۔ اس طریقہ کے نمایاں نمائندہ ابن عربی ہیں، اور انہوں نے اپنی کتابوں الفصوص اور الفتوحات المکیہ میں اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔[11]

دوسرا: فیضی یا اشاری تفسیر:

اشارہ لغت میں علامت اور اشارہ کے معنی میں آتا ہے۔[12] اور اشاری تفسیر اصطلاح میں اس معنی کو کہتے ہیں جو عارف کے دل میں غور و فکر اور روحانی ریاضت کے نتیجے میں پیدا ہو، اور اس کے ذریعے وہ باریک حقائق کو سمجھ سکے۔ اہلِ تصوف کہتے ہیں کہ یہ معانی قرآن کی ظاہری آیات کے ساتھ ایک مناسب تعلق اور مطابقت رکھتے ہیں۔[13]. مسند ابی یعلی میں ایک روایت نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا""إنَّ القرآنَ أُنزِلَ على سبعةِ أحرفٍ، لكلِّ آيةٍ منها ظهرٌ وبطنٌ، ولكلِّ حدٍّ مطلعٌ"[14]۔ کہ قرآن کو سات پیرایوں میں نازل کیا گیا ہے اور ہر آیت کا ایک ظہر اور اور ایک بطن ہے اور ہر آیت کے لئے ایک حد ہے یعنی رکنے کی جگہ ہے۔ اور وہاں سے پھر اوپر اطلاع پانے کی سو ہر حد نہایت کے لئے ایک مطلع ہے، پس مطلع ظاہر کا سیکھنا عربیت ہے اور ان علوم کے ظاہر

معانی قرآن کے ساتھ متعلق ہیں اور معرفت اسباب نزول کی اور ناسخ منسوخ کی اور مطلع باطن کا ریاضت ہے۔یعنی ظاہر سے مراد جو نقل سے ثابت ہو اور باطن سے مراد جو اہل معرفت دریافت کرلیں۔اور حد جس میں ظہر اور بطن دونوں کا اعتبار کیا جائے۔ اور اس کی انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔اور مطلع اس مقام کا نام ہے جہاں سے ہر مقام کے خواص اپنی اس حد کو پا سکیں۔حد اور مطلع کی کوئی انتہاء نہیں ہے حد اور مطلع کے اسرار اللہ اور ان کے انبیاء اور اولیاء کے درمیان ایک راز ہوتا ہے۔

قابلِ قبول اشاری تفسیر کی مثال:

امام قرطبیؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں نقل کیا ہے:فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ "[15]"ان کے دلوں میں بیماری ہے "ان کے ہاں اس کا باطنی معنی یہ ہے کہ ان کے دل دنیا کی محبت اور اس کی طرف میلان میں مبتلا تھے،اور وہ آخرت سے غافل ہو گئے تھے۔جب وہ اس سے منہ موڑ گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو مزید بیمار کر دیا۔ ان سب کی توجہ دنیا کے غموں کی طرف ہو گئی،اور وہ دین کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔[16]

مردود اشاری تفسیر کی مثال:

امام آلوسیؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں ذکر کیا: إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تَذۡبَحُواْ بَقَرَةٗۖ "[17]"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔انہوں نے کہا: گائے سے مراد نفسِ حیوانی ہے، جس سے خواہشات کی سختی ختم ہو جاتی ہے اور نفس کمزور ہو جاتا ہے۔جب انسان ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے اپنے نفس کو قابو میں لے آتا ہے تو وہ پاکیزہ زندگی حاصل کر لیتا ہے اور حقیقی علوم اور معرفت کو پالیتا ہے۔اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی قربت کے مقام تک پہنچتا ہے، اور اس کے سامنے ملکوت کے حقائق ظاہر ہو جاتے ہیں۔پھر اس کے لیے ملکوت اور جبروت کے اسرار ظاہر ہونے لگتے ہیں، اور اس کی عقل اور وہم کے درمیان کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ اس طرح محسوسات کی کثرت کی وجہ سے پیدا ہونے والا شک اور اضطراب ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے اثرات اس کے دل تک پہنچتے ہیں۔ اس وقت مردہ دل زندہ ہو جاتا ہے، پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں، اور علوم کے خزانے اس پر کھل جاتے ہیں۔یہی سب سے بڑا اجہاد ہے، اور یہی حقیقی زندگی اور دائمی سعادت کا ذریعہ ہے۔[18]

ثانیاً:تفسیر باطنی:

یہ وہ تفسیر ہے جس میں نصوص کو ان کے ظاہر سے ہٹا کر ایسے معانی بیان کیے جاتے ہیں جن کا ان کے ظاہر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور باطنی گروہوں نے اس طریقے کے ذریعے اسلام کو نقصان پہنچانے اور اس کی

بنیادوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنی باتوں کے لیے نہ قرآن سے صحیح دلیل لی اور نہ سنت سے، بلکہ جھوٹی روایات اور من گھڑت احادیث پر اعتماد کیا۔

صوفی تفسیر کی ابتداء، اس کا ارتقاء: محققین اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ تصوف کا لفظ اور اس کا مفہوم ہجری پہلی صدی میں معروف نہیں تھا۔ بلکہ اسے دوسری صدی ہجری کے آخر میں اس معنی میں جانا گیا۔ اور دوسری طرف، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صوفی تفسیر دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ نظری تفسیر اور اشاری (فیضی) تفسیر

اول: اشاری (فیضی) تفسیر کی ابتدا:

بعض محققین کا خیال ہے کہ اشاری (فیضی) تفسیر، جو شرعی اصولوں کے مطابق ہو، قدیم زمانے سے موجود ہے، اور اس کی بنیاد صحابہ کرام کے زمانے تک پہنچتی ہے۔ اس قسم کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بہت سی روایات مروی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے امام بخاری نے سعید بن جبیر سے روایت کیا، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اہل بدر کے بزرگ صحابہ کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی مجلس میں شامل کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو اس پر تعجب ہوا اور انہوں نے کہا: ہمارے بھی بیٹے ہیں جو ان کی عمر کے ہیں، پھر انہیں کیوں نہیں بلایا جاتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ علم والے ہیں۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں تم کیا کہتے ہو: جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے"(سورۃ النصر) بعض صحابہ نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب اللہ ہمیں فتح دے اور مدد کرے تو ہم اس کی حمد اور استغفار کریں۔ بعض صحابہ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: پھر تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی زندگی کے اختتام کی اطلاع دی۔ یعنی جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے، تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم نے کہا ہے۔[19]

صوفی تفسیر کی شرائط:

ا۔ ضروری ہے کہ یہ معانی قرآن کے ظاہری مفہوم کے موافق ہوں، اس طرح کہ وہ اشارات تدبر اور غور و فکر کے ذریعے ظاہر معنی سے نکلیں، اور آیات کو ایسے معانی پر محمول نہ کیا جائے جن کی وہ گنجائش نہیں رکھتیں۔ یہ معلوم ہے کہ قرآن کریم واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے جس کے معانی اور دلالتیں واضح ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسے

اشارات اور معانی نکالے جو قرآن کے ظاہر کے خلاف ہوں، تو ایسی تفسیر قابل قبول نہیں اور اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

۲۔ یہ ضروری ہے کہ اس استنباط کے حق میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو اور اس کے خلاف کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔ اگر اس کے خلاف کوئی دلیل موجود ہو تو ایسا استنباط محض دعویٰ شمار ہو گا اور اللہ پر بلا دلیل بات کرنے کے زمرے میں آئے گا۔

۳۔ یہ معنی ایسا نہ ہو جو حد سے زیادہ مبہم اور عقل کی پہنچ سے باہر ہو، بلکہ ایسا ہو جسے عقل کسی حد تک سمجھ سکے۔

۴۔ یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ یہی استنباط قرآن کے اصل اور قطعی معنی ہیں، بلکہ یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ محض ایک فہم یا اشارہ ہے۔ اگر کوئی اسے اصل اور قطعی معنی قرار دے تو یہ تفسیر نہیں بلکہ باطنی تفسیر کے زمرے میں داخل ہو جائے گا۔[20]

تفسیر قشیری کی خصوصیات اور منہج:

تفسیر بالمأثور:

تفسیر بالمأثور سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی کے ذریعے کی جائے، یا نبی کریم ﷺ سے منقول روایات کے ذریعے، اور جو کچھ صحابہ اور تابعین سے قرآن کے الفاظ کی وضاحت اور بیان میں نقل ہوا ہے اور لغت عرب اور عقل سلیم سے کیا جائے۔[21] جہاں تک تابعین کے اقوال کا تعلق ہے، تو ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اصولی طور پر وہ صحابہ کے طریقے پر ہی ہوتے ہیں، کیونکہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا تھا، خصوصاً ان کے بڑے علماء سے۔

تفسیر بالرائے:

تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں غور و فکر اور اجتہاد کیا جائے، لیکن ان اصولوں کی روشنی میں جو مفسر کے لیے ضروری ہیں، جیسے: عربی زبان کی معرفت، عرب کے اشعار اور اسالیب کا علم، ناسخ و منسوخ کا علم، اسبابِ نزول کی معرفت، اور دیگر ضروری شرائط کے موافق ہو۔ اگر رائے ان اصولوں کے مطابق ہو تو وہ قابل قبول ہے۔ لیکن اگر رائے محض خواہشِ نفس، یا کسی باطل مذہب کی پیروی پر مبنی ہو، تو وہ مردود ہے اور قابلِ قبول نہیں۔ امام قشیری رحمہ اللہ نے تفسیر بالمأثور کو زیادہ اختیار نہیں کیا، جبکہ تفسیر بالرائے ان کی کتاب "لطائف الاشارات" میں غالب ہے۔ محقق جب لطائف الاشارات کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس

کے مصنف نے اپنی تمام ذہنی اور روحانی صلاحیتوں کو اشاری اور صوفیانہ معانی تک پہنچنے کے لیے استعمال کیا ہے۔اور یہی اس نوع کی تفسیر میں ان کا منہج ہے۔[22]

لطائف الاشارات کا منہج:

تفسیر القرآن بالقرآن (قرآن کی وضاحت قرآن سے)

اس حصے میں قشیریؒ نے اشاری معانی کو واضح کرنے کے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ وہ پہلے ظاہر کے معانی بیان کرتے ہیں، پھر انہی معانی کو اپنے مطلوبہ استنباط کے لیے بنیاد بناتے ہیں۔ بعض اوقات وہ پہلے ظاہری معنی پیش کیے بغیر ہی براہِ راست اپنا مقصود بیان کر دیتے ہیں۔ کبھی وہ کسی ایک امت کا موازنہ دوسری امت سے کرتے ہیں، خصوصاً قرآنی قصص میں۔ اور بعض مقامات پر وہ صرف ظاہری تفسیر تک محدود رہتے ہیں اور اشارات یا صوفیانہ معانی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اس کی تفصیل یوں ہے:

(الف) ظاہری معانی سے اشاری مفہوم کا استنباط:

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَبِٱلْيَوْمِ ٱلْأَخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ"[23] اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں"

امام قشیریؒ کہتے ہیں: جب ان کے اقوال کو ان کے حقیقی معانی سے خالی کر دیا گیا تو اس کا انجام ان کے لیے اس سے بڑھ کر وبال بنا جس نفع کا وہ گمان کرتے تھے۔ یعنی انہوں نے جو ظاہر کیا وہ اس حقیقت کے مطابق نہ تھا جس پر وہ قائم تھے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو اپنے نفس سے ایسی بات ظاہر کرے جس کی حقیقت اس کے باطن میں نہ ہو۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک اس کا بھید جلد کھل جاتا ہے۔ پس جب اللہ نے منافقین کو رسوا کیا اور انہیں جھوٹا قرار دیا، تو قشیریؒ نے اس سے یہ اشارہ اخذ کیا کہ جو شخص اپنے اندر کسی ایسی چیز کا اظہار کرے جس پر وہ حقیقتاً قائم نہ ہو، تو اہلِ بصیرت کے سامنے اس کا حال جلد ظاہر ہو جاتا ہے۔[24]

(ب) صوفیانہ معانی کا استنباط بغیر ظاہری تمہید کے:

امام قشیریؒ فرماتے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے"

فَحَسْبُهُۥ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ ٱلْمِهَادُ"[25]" پس ان کے لیے جہنم کافی ہے"

امام قشیریؒ نے کہا یعنی جو حالت اس شخص کو درپیش ہے، وہ نفس کی وحشت، اس کی تاریکی اور تنگیِ انتخاب ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف چیزوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ وہ ہر لمحہ سزا اور مشقت میں گرفتار

رہتا ہے، پھر وہ اس چھوٹے عذاب سے بڑے عذاب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ ٱلْعَذَابِ ٱلْأَدْنَىٰ دُونَ ٱلْعَذَابِ ٱلْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"[26]۔ اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب ضرور چکھائیں گے "۔ لیکن اس آیت "پس ان کے لیے جہنم کافی ہے "میں اس طرح کی تاویل کی ضرورت نہیں، کیونکہ آیت واضح ہے۔ یہاں جہنم سے مراد وہی آگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کافروں، فاسقوں اور نافرمانوں کے لیے تیار کیا ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی اور معنی مراد لینا درست نہیں۔

تفسیر القرآن بالحدیث (قرآن کی تفسیر سنت کے ذریعے)

امام قشیریؒ نے اپنے منہج میں یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ بعض معانی کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے واضح کیا ہے۔ کیونکہ سنت، قرآن کے بیان اور وضاحت کا ذریعہ ہے، بعد اس کے کہ قرآن کو قرآن سے سمجھا جائے۔ لیکن قشیریؒ نے بعض مواقع پر صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان فرق نہیں کیا۔ اور کبھی موضوع احادیث سے بھی استدلال کیا، حالانکہ وہ اپنے اساتذہ سے سند کے ساتھ روایت کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ان کی علمی زندگی کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ اصل میں علماء کو چاہیے کہ وہ ایسے مقامات میں احتیاط کریں۔ اس کی وضاحت یوں ہے:

(الف) مقبول احادیث سے استدلال:

اس باب میں قشیریؒ نے بعض احادیث سے استدلال کیا ہے تاکہ ان کے ذریعے کچھ اشاری اور صوفیانہ معانی تک پہنچ سکیں۔ اور بعض اوقات وہ محض ظاہری تفسیر پر اکتفا کرتے ہیں، جیسا کہ ان کے منہج میں بارہا دیکھا گیا ہے۔ ان مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک آیت کی تفسیر میں ظاہر اور اشارہ دونوں کو جمع کیا: اللہ تعالیٰ کا فرمان:﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ "[27]۔ وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

"امام قشیریؒ نے فرمایا" شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ جس طرح شراب حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا«حُرِّمَتِ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا، وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ"[28]

میں نے شراب اور ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا ہے "تو جو شخص غفلت کی شراب سے مست ہو، وہ بھی اسی طرح سزا کا مستحق ہے جس طرح ظاہری شراب پینے والا۔ جیسے نمازی پر نشہ حرام ہے، اسی طرح سالک پر غفلت کا نشہ حرام ہے، کیونکہ غفلت اسے روحانی مقامات سے محروم کر دیتی ہے اور حقائقِ وجود کے مشاہدے سے دور کر دیتی ہے۔ جو اس حال میں بھی صدق نہ کرے، وہ ہلاکت میں پڑتا ہے۔[29]

(ب) مردود احادیث سے استدلال:

امام قشیریؒ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَإِن طِبۡنَ لَكُمۡ عَن شَيۡءٖ مِّنۡهُ نَفۡسٗا فَكُلُوهُ هَنِيٓـٔٗا مَّرِيٓـٔٗا"[30]۔ اگر وہ خوش دلی سے تمہیں اس میں سے کچھ دے دیں تو اسے مزے سے کھاؤ"

قشیریؒ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ پاکیزہ لوگوں کا کھانا قابلِ قبول ہے، کیونکہ وہ طیب نفس سے کھاتے ہیں، جبکہ بخیل کا کھانا ناپسندیدہ ہے، کیونکہ وہ دل کی رضا سے نہیں دیتا بلکہ مجبوری سے دیتا ہے۔ پھر ایک روایت نقل کی ہے" طَعَامُ السَّخِيِّ دَوَاءٌ، وَطَعَامُ الْبَخِيلِ دَاءٌ"[31]

" سخی کا کھانا دوا ہے، اور بخیل کا کھانا بیماری۔" لیکن اس طرح کی روایات کی صحت پر کلام ہے۔

پچھلی مثالوں سے، احادیث کی تخریج اور تحقیق کے بعد، یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قشیریؒ نے بعض ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی ذکر کیں، اور بعض اوقات ایسی چیزوں سے استدلال کیا جن کی کوئی مضبوط اصل نہیں تھی۔ پھر ان پر اشارات اور معانی کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ کبھی ان میں کچھ درست پہلو بھی نکل آتے ہیں، لیکن اس طرزِ استدلال کو اصولی طور پر درست نہیں کہا جا سکتا۔

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین: قرآن کی تفسیر صحابہ اور تابعین کے اقوال سے:

امام قشیریؒ اللہ تعالیٰ کا فرمان کے ذیل میں فرماتے ہے "هَٰذَا فَلۡيَذُوقُوهُ حَمِيمٞ وَغَسَّاقٞ "[32]"یہ ہے (ان کے لیے) گرم پانی اور پیپ"

امام قشیریؒ فرماتے ہیں، حمیم سے مراد کھولتا ہوا پانی ہے۔ اور "غساق" سے مراد اہلِ جہنم کا بہتا ہوا مادہ ہے۔[33]

یہ دونوں اقوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ قرطبی نے بھی ذکر کیا ہے کہ "غساق" کا ایک معنی سخت سردی (زمہریر) بھی ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق یہ اہلِ جہنم کا رس ہے، جو محمد بن کعب سے منقول ہے۔[34]

لیکن یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس قسم کی تفسیر، یعنی صحابہ اور تابعین کے اقوال کے ذریعے، قشیری نے بہت کم اختیار کی ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں شاذ و نادر ہی کسی صحابی یا تابعی کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

لغوی مسائل میں امام قشیری کا منہج:

محقق نے قشیری رحمہ اللہ کے منہج کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ پایا کہ انہوں نے اپنی کتاب لطائف الاشارات میں مختلف لغوی مسائل پر گفتگو کی ہے۔ ان میں قرآن کریم کے الفاظ کی وضاحت، بعض بلاغی اور نحوی نکات، اور صرف و اشتقاق سے متعلق امور شامل ہیں۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے صوفیانہ معانی کو

ثابت کرنے کے لیے صوفی شعر سے بکثرت استدلال کیا ہے۔ یہ طرزِ عمل ان کی تفسیر کے مختلف مقامات پر نمایاں ہے۔ ان لغوی مباحث کے ذریعے ان کے منہج کی وضاحت آگے کی سطور میں کی جائے گی۔

(الف) مفردات کی لغوی تفسیر:

ان مثالوں میں سے چند درج ذیل ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان: إِنَّ شَجَرَتَ ٱلزَّقُّومِ طَعَامُ ٱلْأَثِيمِ كَٱلْمُهْلِ يَغْلِي فِي ٱلْبُطُونِ كَغَلْيِ ٱلْحَمِيمِ:[35] "بے شک زقوم کا درخت گناہگار کا کھانا ہے۔ وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں کھولتا ہے، جیسے کھولتا ہوا پانی کھولتا ہے۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں "لأثیم" سے مراد بڑا گناہگار ہے۔ "المُھل" سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ اور "الحمیم" سے مراد سخت کھولتا ہوا پانی ہے۔[36]۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: مُدْهَآمَّتَانِ"[37] "وہ دونوں باغ گہرے سبز ہوں گے۔ امام قشیریؒ کہتے ہیں "مُدھامّتان" یعنی نہایت گہرے سبز رنگ کے۔ لفظ "دُھمة" سیاہی کے قریب رنگ کو کہتے ہیں۔ فعل "ادھامّ" اسی سے نکلا ہے، اور اسم "مدھامّ" بھی اسی مادے سے ہے۔ مؤنث کی تثنیہ "مدھامّتان" ہے۔[38]

ثانیاً: نحوی اور صرفی مسائل:

امام قشیریؒ نے اپنی تفسیر میں جب نحوی مسائل بیان کیے تو ان کو کسی حد تک تفصیل سے ذکر کیا، لیکن صرفی مسائل کے بارے میں انہوں نے بہت کم گفتگو کی، جیسا کہ آگے واضح ہوگا، اور اپنی عادت کے مطابق قشیریؒ نے ان نحوی مسائل کو اپنے صوفیانہ معانی اور اشارات کو نمایاں کرنے کے لیے استعمال کیا۔

اولاً: نحوی مسائل

مجموعی طور پر اس باب میں انہوں نے بعض الفاظ کا اعراب بیان کیا، پھر اس کے بعد معانی کو نمایاں کیا، کبھی صریح عبارت سے اور کبھی اشارے کے انداز میں۔ اس کی مثال درج ذیل آیات میں ملتی ہے:

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

صِبْغَةَ اللهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ[39]"۔

انہوں نے کہا کہ "صِبْغَةَ اللهِ" فعلِ مضمر کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی "الزموا صبغةَ الله"۔ اشارہ یہ ہے کہ عبرت اس چیز میں ہے جو حق تعالیٰ نے بندے میں ودیعت کی ہے، نہ کہ اس میں جس کا تکلف بندہ خود کرتا ہے۔ پس جو چیز حق نے فطرت میں ثابت کر دی، وہی اصل عبرت ہے۔ دلوں کی ایک صبغہ ہے، روحوں کی ایک صبغہ ہے، اسرار کی ایک صبغہ ہے، اور ظواہر کی ایک صبغہ ہے۔ اشباح کی بھی ایک صبغہ ہے۔ ظواہر توفیق کے آثار سے رنگین ہوتے ہیں، اور ارواح واسرار تحقیق کے انوار سے رنگین ہوتے ہیں۔[40]

ثانیاً: القضایا الصرفیۃ: صرفی مسائل:

1۔ بسم اللہ میں "اسم" لفظ "سمو" اور "سِمَۃ" سے مشتق ہے۔ پس جو شخص اس اسم کا ذکر کرتا ہے۔ وہ شخص ظاہر میں مجاہدات کی مختلف اقسام اختیار کرے، اور اپنی ہمت کو مشاہدات کے مقام تک بلند کرے۔ پس اس کی ظاہری معاملات پر نظر نہیں رہتی۔ اور جب ہمت بلند ہو جاتی ہے تو وہ اپنے رب سے رازدارانہ تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے نہ تو ذکر محض زبانی رہتا ہے، اور نہ قرب کی کرامات اس کی حالت کی صفائی میں مانع بنتی ہیں۔[41]

پچھلی بحث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قشیری نے محض نحوی یا صرفی مباحث قائم کرنے کے لیے ان مسائل کو ذکر نہیں کیا، بلکہ وہ ان میں سے وہی بات لیتے ہیں جو ان کے صوفیانہ اور اشاراتی معانی کو واضح کرے۔ اور یہ طریقہ یقیناً قشیری کی مہارت کو ظاہر کرتا ہے۔

ثالثاً: القضایا البلاغیۃ: بلاغت کی تعریف:

بلاغت کا لغوی معنی ہے: پہنچ جانا اور انتہا کو پہنچنا۔ جبکہ اصطلاح میں "بلاغت" دو معنی پر آتی ہے: پہلا معنی یہ ہے کہ کلام اپنی ذات میں بلیغ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تین اوصاف جمع ہوں: اپنے موضوع کے اعتبار سے درست ہو، زبان کے لحاظ سے صحیح ہو، اور مقصود معنی کے مطابق ہو، اور اپنی ذات میں سچا ہو۔ اگر ان میں سے کوئی وصف کم ہو تو بلاغت ناقص ہو جاتی ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ بلاغت قائل اور قول کے اعتبار سے ہو، یعنی کہنے والا ایسا کلام کہے جو کسی معین مقصد کے لیے ہو، اور اس کا مخاطب اسے قبول کرنے کے لائق ہو۔[42]

امام قشیریؒ نے بعض بلاغی مسائل کا ذکر کیا ہے، مگر ان میں نہ زیادہ توسیع کی اور نہ مفصل بحث کی، بلکہ ان کی طرف سرسری اشارے کیے ہیں، جیسے: تکرار کا مسئلہ، حروف کے معانی، استفہام، اور تقدیم و تاخیر، تکرار، حروف المعانی، وغیرہ کا استعمال کیا ہے۔ اس تمہید کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قشیری رحمہ اللہ نے حروفِ معانی سے متعلق دو مسائل پر گفتگو کی ہے:

اولاً: تناوب الحروف (حروف کا باہم بدل جانا)

وہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ بعض مقامات پر قرآن میں حروف ایک دوسرے کی جگہ آ جاتے ہیں۔ اس کی واضح مثال ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: فَانظَرْ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ[43]" انہوں نے کہا کہ یہاں "في" کا معنی "إلى" کے قائم مقام ہے، یعنی اصل معنی ہے: "إلى النجوم"۔[44] اور اس رائے میں وہ صاحبِ کتاب "زاد المسیر" کے موافق ہیں، کیونکہ انہوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی ایک قول ذکر کیا ہے۔ اسی طرح سورۃ المعارج میں ان کے کلام سے بھی یہی نظریہ ظاہر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں:

"سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ [45]۔ انہوں نے کہا کہ یہاں "الباء" بمعنی "عن" ہے، یعنی معنی یہ ہو گا: ایک سائل نے اس عذاب کے بارے میں سوال کیا۔[46]

الزيادة (زیادت)

یہ ایسے الفاظ یا زیادہ تر حروف ہوتے ہیں جن کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا کہ اعراب کے اعتبار سے ان کی ضرورت نہیں، یعنی اگر انہیں حذف کر دیا جائے تو بھی کلام مکمل رہتا ہے۔ لیکن قشیری رحمہ اللہ اس منہج کے قائل نہیں۔ البتہ وہ حرفِ زائد کو "صلة" (یعنی تاکید یا تقویت کے لیے لایا گیا لفظ) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ صرف قسم کے موقع پر آتا ہے۔ اس کی واضح مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ [47]" وہ کہتے ہیں: یہاں "لا" صلہ ہے، اور معنی ہے: "أقسمُ بجميع الأشياء"، کیونکہ اس نے ان چیزوں کی قسم کھائی جو ہم دیکھتے ہیں اور جو نہیں دیکھتے۔

اسلوب الإنشاء:

یہ وہ کلام ہے جس میں صدق و کذب کا احتمال نہیں ہوتا، بر خلاف خبر کے جس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ انشاء دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے: طلبی اور غیر طلبی۔ بلاغیوں کے نزدیک انشاءِ طلبی میں امر، نہی، تمنا، استفہام اور نداء شامل ہیں۔ امام قشیریؒ نے اپنی تفسیر میں استفہام کے موضوع کو پیش کیا، اور یہ انشاء کی ایک قسم ہے ۔ قرآن کریم میں استفہام کئی پہلوؤں سے آیا ہے: کبھی اپنے اصل معنی میں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا [48]" اور جیسے فرمایا: " ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَنَا مَا لَوْنُهَا [49]" اور کبھی استفہام اپنے اصل معنی کے علاوہ دیگر معانی کے لیے بھی آتا ہے، جو سیاقِ کلام سے سمجھے جاتے ہیں۔ امام قشیریؒ نے لطائف میں ان میں سے بعض معانی کو ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک یہ ہے۔

الاستفهام التقريري (استفہام تقریری)

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ [50]"

یہ استفہام تقریر کے معنی میں ہے، یعنی انہیں اس بات کا پابند کیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہیں، اور صفاتِ کمال کے منافی بات نہ کریں، اور نہ ایسی بات کریں جس کی صحت پر کوئی دلیل یا برہان نہ ہو۔ [51]

الاستفهام یراد به التفخيم والتعظيم (استفہام برائے تعظیم و تفخیم)

امام قشیریؒ نے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ذکر کی ہے: وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ [52]" انہوں نے کہا: یہ استفہام تعظیمِ امر اور اس کی شان کے اظہار کے لیے ہے۔ [53]

ج۔ الاستفھام یرادمنہ التوبیخ والنفي (استفہام برائے توبیخ اور نفی)

قشیریؒ نے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بیان کی: أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ[54]"

انہوں نے کہا: یہ استفہام توبیخ اور نفی کے معنی میں ہے، یعنی اللہ سبحانہ کی ذات میں کوئی شک نہیں، کیونکہ وہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔[55]

الشعر والادب (شعر)

امام قشیریؒ نے اپنی تفسیر میں جو اشعار نقل کیے ہیں، ان میں سے اکثر صوفیانہ رنگ رکھتے ہیں۔ انہوں نے متعدد مقامات پر قرآن کی آیات کی تفسیر میں اشعار سے استدلال کیا تاکہ اپنے صوفیانہ اشارات کی تائید کر سکیں۔ ان میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ" [56]۔ انہوں نے کہا: فاحشہ ہر شخص کے حال اور مقام کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ جس طرح عام لوگوں کے لیے بعض امور صغیرہ شمار ہوتے ہیں، وہی اہلِ معرفت کے لیے کبیرہ کے درجے میں ہو سکتے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ شعر نقل کیا:

أنت عيني و ليس من حقّ عيني

غضّ أجفانها على الأقذاء"[57]

یہ شعر ابن الرومی سے منقول ہے، جس میں انہوں نے اپنے دوست ابو القاسم التوزی کو مخاطب کیا، گویا وہ اسے آنکھ میں پڑے ہوئے کانٹے کے برابر سمجھتے ہیں۔ شیخ محمد شریف سلیم نے دیوانِ ابن الرومی کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ یہ شعر اپنے سیاق سے مربوط ہے، اور اس سے پہلے یہ مصرعہ ہے:

بل أرى صدقك الحديث وماذا

لك بالبخل عليك بالإغضاء[58]"

القضایا العقیدویۃ:

امام قشیریؒ نے اس باب میں صفاتِ الٰہی سے متعلق آیات پر گفتگو کی ہے، اور ان فرقوں کا رد کیا ہے خصوصاً معتزلہ اور مشبہہ کا۔ پھر انہوں نے ولاء و براء کے مسئلے کو بھی بیان کیا، اور یہ اسی کی تفصیل ہے۔

حدیثہ عن آیات الصفات وأسماء اللہ الحسنی:

یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قشیریؒ صفاتِ الٰہی کے بارے میں اشعری مذہب کے طریقے پر گفتگو کرتے ہیں، جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے معلوم ہوتا ہے: انہوں نے "استواء" کے معنی کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہا: ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ[59]" پس

"فالأكوان بقدرته استوت"، یعنی مخلوقات اس کی قدرت سے قائم ہوئیں۔ کیونکہ حق سبحانہ بذاتِ خود مخلوق پر مستوی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کی احدیت اور صمدیت کے تقاضے کے خلاف یہ بات ہے کہ وہ کسی جگہ یا مکان میں قرار پائے۔ جو لوگ مکان کی تخصیص کا وہم کرتے ہیں، وہم ہی کرتے ہیں، کیونکہ اگر وہ کسی مکان پر مستوی ہو تو گویا وہ اس مکان کا محتاج ہو جائے، حالانکہ وہ بذاتِ خود ہر مکان سے پاک ہے۔[60] پھر فرمایا: "ثم استوی علی العرش" یعنی جلالِ کبریائی کے ساتھ اپنی وحدانیت کا اظہار کیا، اور ملک و ملکوت کا مالک ہوا۔ جب وہ بندوں پر اپنی تجلی اور عظمت کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو ان کے مشاہدات میں اپنی بادشاہی کی ہیبت کو ظاہر کرتا ہے۔ پس حق سبحانہ نے مخلوق کی سمجھ کے قریب کرنے کے لیے "استوی علی العرش" کا لفظ استعمال فرمایا، جس کا معنی ہے: صمدیت کی عزت اور احدیت کے جلال کے ساتھ متصف ہونا، اور اپنی ربوبیت کی بلندی اور جبروت کی شان کے ساتھ تنہا ہونا، اور اطراف و حدود سے پاک ہونا ہے۔[61]

رده علی المعتزلة والمشبهة:

انہوں نے معتزلہ پر رد کیا، خاص طور پر ان کے ان اقوال پر کہ اللہ پر بعض امور کا واجب ہونا، قرآن کا مخلوق ہونا، افعالِ عباد کو اللہ کا نہ پیدا کرنا، اور اللہ کے دیدار کا انکار۔ ان پر سب سے زیادہ رد انہوں نے "وجوب علی اللہ" کے مسئلے میں کیا، اور یہ متعدد مقامات پر نمایاں ہے۔ ان میں سے ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: "أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ"[62] انہوں نے کہا: اللہ کی صلوات کا معنی ہے کہ اس نے ان پر اپنی رحمت کا آغاز کیا اور انہیں صبر کی توفیق دی۔ وہ صبر کے تقاضوں پر قائم رہے اور اپنی حالت کو درست رکھا۔ پس یہ اس کے فضل سے ہے، نہ کہ اس پر کسی کا حق لازم تھا۔ ان کی اطاعت جب عبودیت کی شرط کے ساتھ حاصل ہوئی تو اس کی ازلی رحمت نے انہیں اپنی سابقہ عنایت کے باعث خاص ہدایت عطا کی۔ "وأولئك هم المهتدون" یعنی ابتدا میں انہیں ہدایت دی گئی اور انجام میں بھی وہی ہدایت یافتہ رہے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ پر کسی چیز کا واجب ہونا لازم آتا ہے۔[63]

چوتھا مبحث: فقہی مسائل

لطائف الاشارات کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ امام قشیریؒ نے جب احکام کی آیات بیان کیں تو فقہی استنباط میں زیادہ تفصیل نہیں کی۔ اکثر وہ آیات کو سرسری طور پر ذکر کر کے گزر جاتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کو انہوں نے خالص فقہی مباحث کے لیے مخصوص نہیں کیا، کیونکہ اس نوعیت کی تفاسیر پہلے سے موجود تھیں۔ دوسری طرف ان کی توجہ زیادہ تر اشاری تفسیر پر رہی، جس میں وہ ممتاز شمار ہوتے ہیں۔ اگرچہ

بعض مقامات پر ایسی نادر تعبیرات بھی ملتی ہیں جو عام فہم سے ہٹ کر ہیں، لیکن وہ کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن"[64]۔ انہوں نے کہا: دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنا، رضائے الٰہی کے زیادہ قریب ہے۔ جو شخص اس میں سستی کرے گا وہ کفر کی طرف جا سکتا ہے۔ اگرچہ شریعت نے بعض صورتوں میں رخصت دی ہے، لیکن اشارتاً اس میں احتیاط بہتر ہے۔ البتہ اہلِ شرک سے قطعی تعلق رکھنا اور ان سے مکمل براءت اختیار کرنا اس باب کا اصل حکم ہے۔[65]

تفسیر قشیری میں علوم القرآن اور اسرائیلات:

وہ قرآنی علوم اور اسرائیلی روایات جن کا ذکر قشیری نے کیا۔

اولاً: علوم القرآن:

اس سے مراد وہ مباحث ہیں جو قرآن کریم کے نزول، جمع و ترتیب، مختلف قراءات، اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، اعجازِ قرآن، اور دیگر متعلقہ علوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ قشیری رحمہ اللہ نے ان میں سے بعض موضوعات کو ذکر کیا ہے، جیسے اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، اعجازِ قرآن اور قراءات۔ تاہم انہوں نے ان مسائل میں تفصیل اختیار نہیں کی، بلکہ مختصر اشارہ کیا ہے۔ بعض اوقات ان مباحث کے ذکر کا مقصد ان کے صوفیانہ اشارات کی وضاحت بھی ہوتا ہے۔

1۔ اسبابِ نزول:

قشیری نے اس موضوع کو لطائف الاشارات میں کئی مقامات پر چھیڑا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اسے باقاعدہ اصولی انداز میں مرتب نہیں کیا، مگر بعض آیات کے ذیل میں اسبابِ نزول کی روایات نقل کی ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أُحِلَّ لكم ليلة الصيام الرفث إلى نسائكم"[66]۔ انہوں نے نقل کیا کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعے کے بعد نازل ہوئی، اور اس کے ذریعے تمام مسلمانوں کے لیے قیامت تک رخصت عام کر دی گئی۔[67]

لیکن تحقیق یہ بتاتی ہے کہ اس آیت کے نزول کا صحیح سبب وہ ہے جو امام بخاری نے روایت کیا ہے: حضرت قیس بن صرمۃ انصاری روزے کی حالت میں دن بھر کام کرتے رہے۔ افطار کے وقت اپنی بیوی کے پاس آئے اور کھانے کے بارے میں پوچھا۔ بیوی نے کہا: ابھی کچھ نہیں، میں تلاش کرتی ہوں۔ وہ تھکے ہوئے تھے، اسی انتظار میں سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو کھانے کا وقت گزر چکا تھا، اور روزہ جاری رکھنا پڑا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور صحابہ اس پر بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا گیا: وکلوا واشربوا"[68]۔ رہی وہ روایت جس میں حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، تو وہ روایت امام احمد نے نقل کی ہے، مگر اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں، جو ضعیف راوی ہیں۔ جیسا کہ اہلِ علم نے وضاحت کی ہے، یہ روایت بخاری کی روایت کے مقابلے میں کمزور ہے، کیونکہ بخاری کی روایت زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔

2۔ الناسخ والمنسوخ:

نسخ سے مراد یہ ہے کہ شریعت کسی سابقہ حکم کو بعد کے خطاب کے ذریعے اٹھالے۔ امام قشیریؒ نے اس مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے، اگرچہ لطائف الاشارات میں اس کے مقامات کم ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجًا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشرًا"[69] انہوں نے کہا: شروع میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی، پھر اسے کم کر کے چار ماہ دس دن کر دیا گیا۔ جب عدت پوری ہو جائے تو اسے دوسرے نکاح کی اجازت ہے۔[70]

3۔ القراءات (قراءاتِ قرآن)

قراءات اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن کے الفاظ کی ادائیگی کے مختلف طریقے اور ان کے اختلاف کی وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ قراءات یا تو متواتر ہوتی ہیں یا شاذ۔ متواتر قراءات وہ دس مشہور قراءات ہیں، اور ان کے علاوہ باقی قراءات شاذ شمار ہوتی ہیں۔ قشیری رحمہ اللہ نے متواتر اور غیر متواتر دونوں قسم کی قراءات کا ذکر کیا ہے، لیکن بطورِ مثال اور اجمالی انداز میں۔ یہاں ان کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

أ۔ القراءات المتواترة التي عرض لها۔ (قراءات متواترہ)

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"بل عجبتُ ويسخرون" [71] انہوں نے ذکر کیا کہ اس آیت میں "عجبتُ" کی قراءت فتح کے ساتھ بھی ہے اور ضم کے ساتھ بھی۔ فتح کے ساتھ قراءت میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ضم کے ساتھ قراءت میں معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تعجب کرتا ہوں، یعنی یہ تعجب اس کی طرف منسوب ہے، جس کا مطلب ان کے عمل کی شدت یا قباحت کا بیان ہے۔ ضم کی قراءت حمزہ، کسائی اور خلف کی ہے۔[72]

حاصل کلام:

امام قشیریؒ اپنے زمانے کے نمایاں صوفی علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اس تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ قشیری رحمہ اللہ کا عقیدہ درست اور اہلِ سنت کے مطابق تھا۔ صوفی تفسیرِ فیضی اور باطنی تفسیر میں فرق ہے۔ صوفی تفسیر کا قرآن کے ظاہر سے تعلق ہوتا ہے، چاہے وہ تعلق دور سے ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن خالص باطنی تفسیر کا ظاہرِ نص سے

کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور وہ قابلِ اعتراض بلکہ بعض صورتوں میں کفر تک پہنچ سکتی ہے۔امام قشیریؒ نے اپنی کتاب لطائف الاشارات میں وہی عمومی مسائل ذکر کیے جو دیگر تفاسیر میں پائے جاتے ہیں، جیسے: تفسیر بالماثور، لغوی مباحث، اعتقادی اور فقہی مسائل، علومِ قرآن، اسرائیلی روایات، البتہ انہوں نے ان کو تفصیل سے بیان نہیں کیا، بلکہ اشاری مقصود کے تحت مختصراً ذکر کیا۔ امام قشیری نے اپنی کتاب میں متعدد صوفی اصطلاحات استعمال کیں۔ ان میں سے بعض کے لیے شرعی دلیل موجود ہے، اور بعض ایسی بھی ہیں جو واضح دلیل پر قائم نہیں، بلکہ ان میں ابہام پایا جاتا ہے۔ تفسیر لطائف الاشارات کا مقصد نفوس کی اصلاح اور باطنی امراض کا علاج ہے۔ لیکن بعض مقامات پر انہوں نے نصوص کو ایسے معانی پر محمول کیا جو ظاہر سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔ امام قشیری کی کتاب میں زیادہ تر معانی عبارت اور اشارہ کے درمیان جمع کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ان کے اکثر اشاری معانی بطور تفسیرِ آیات نہیں، بلکہ ایک مستقل شرعی دلیل کی بنیاد پر قابلِ قبول ہیں۔

حواشی

([1])۔ سورۃالذاریات:56

([2]) ۔ تقی عثمانی، مفتی، آسان ترجمہ قرآن، دارالاشاعت، کراچی، 1432ھ /2010ء، سورۃالذاریات:56۔

([3]) ۔ابوالقاسم القشیری ؒ(عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک) کی پیدائش 376ھ /986ء میں نیشاپور میں ہوئی۔ آپ امام ابو علی الدقاق ؒ کے شاگرد اور امام جوینیؒ کے استاد تھے۔ ان کی مشہور کتاب "الرسالۃ القشیریۃ "اور "لطائف الإشارات "ہیں، اور وفات 465ھ /1074ء کو نیشاپور میں ہوئی۔ ابن خلکان، وفیات الأعیان، جلد3 بیروت: دار صادر، بغیر تاریخ، ص،376

[4]۔احمد بن محمد ابن خلکان، وفیات الاعیان و أنباء أبناء الزمان، تحقیق: احسان عباس، بیروت: دار صادر، 1980، ج3، ص205۔

[5]۔عثمان بن عبدالرحمن ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث، تحقیق: نور الدین عتر (دمشق: دارالفکر 1986، ج2، ص563،

[6]۔ابن العماد، *شذرات الذہب*، ج5، ص277۔

[7]۔أبوالقاسم القشیری، الرسالۃ القشیریہ في علم التصوف، مصطفى البابي الحلبي، القاھرۃ، مصر ص158.

[8]۔محمد بن عبدالغنی المعروف ابن نقطہ، التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید، پہلی اشاعت (حیدر آباد دکن: مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، 1404ھ /1984ء)، جلد2، صفحہ 141۔

[9]۔عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین) بیروت: دار احیاء التراث العربی)، جلد6، صفحہ 6۔

[10]۔ابن العماد، شذرات الذہب، ج3، ص215۔ ابن الجوزي، المنتظم في تاریخ الملوک والأمم، ج8، ص280۔

[11]۔ڈاکٹر محمد حسین ذہبی، التفسیر والمفسرون، دوسری اشاعت (بیروت: دار الکتب الحدیثۃ،1396ھ)، جلد2، صفحہ352۔

[12]۔ابن منظور، لسان العرب، ج4، ص436۔

[13]۔ذہبی، التفسیر والمفسرون، ج2، ص352۔

[14]۔أحمد بن علی، أبو یعلی الموصلی، مسند أبی یعلی، دمشق: دار المأمون للتراث، ج5، ص178، 80۔حدیث:5403۔

[15]۔سورۃ البقرہ:10۔

[16]۔ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، دوسری اشاعت (بیروت: دار احیاء التراث العربی،1405ھ)، جلد1، صفحہ197۔

[17]۔سورۃ البقرہ:76۔

[18]۔ابو الفضل شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی) بیروت: دار الفکر،1408ھ)، جلد1، صفحہ294۔

[19]۔عبداللہ بن ابی شیبہ العبسی الکوفی، المصنف فی الاحادیث والآثار، تحقیق: سعید اللحام (بیروت: دار الفکر)، جلد4، صفحہ140۔

[20]۔طاش کبریٰ زادہ، مفتاح السعادۃ، جلد2، صفحہ107۔

[21]۔محمد حسین ذہبی، التفسیر والمفسرون، جلد2، صفحہ352۔

[22]۔ایضا

[23]۔سورۃ البقرہ:8۔

[24]۔عبدالکریم بن ہوازن قشیری، لطائف الاشارات، تحقیق، د۔ابراہیم بسیونی، دوسری اشاعت، قاہرہ، مرکز تحقیق التراث، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب،1983ء،، ج3، ص194۔

[25]۔سورۃ البقرہ:106۔

[26]۔سورۃ السجدہ:21۔

[27]۔سورۃ البقرہ:219۔

[28]۔ابوداود، سنن ابی داود، کتاب الاشربہ، باب ماجاء فی تحریم الخمر، حدیث:3670۔

[29]۔قشیری، لطائف الاشارات، ج1، ص176۔

[30]۔سورۃ النساء:4۔

[31]۔محمد ناصر الدین البانی، ضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ، تیسری اشاعت (بیروت: المکتب الاسلامی،1410ھ/1990ء)، صفحہ368۔

[32]۔سورۃ ص:57۔

[33]۔قشیری، لطائف الاشارات، ج3، ص260۔

[34]۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، جلد 1، صفحہ 197۔

[35]۔ سورۃ دخان: 46-43۔

[36]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 3، ص 386۔

[37]۔ سورۃ رحمٰن: 64۔

[38]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 3، ص 514۔

[39]۔ سورۃ البقرۃ: 138۔

[40]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 1، ص 130۔

[41]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 1، ص 505۔

[42]۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، صفحہ 290۔

[43]۔ سورۃ الصافات: 88۔

[44]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 3، ص 336۔

[45]۔ سورۃ المعارج: 1۔

[46]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 3، ص 328۔

[47]۔ سورۃ الحاقہ: 39۔

[48]۔ سورۃ النازعات: 42۔

[49]۔ سورۃ البقرۃ: 69۔

[50]۔ سورۃ الاعراف: 169۔

[51]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 583، 1۔

[52]۔ سورۃ الحاقۃ: 3۔

[53]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 3، ص 734۔

[54]۔ سورۃ ابراہیم: 10۔

[55]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 2، ص 242۔

[56]۔ سورۃ العمران: 135۔

[57]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج 1، ص 279۔

[58]۔ ابن الرومی، دیوان ابن الرومی) بیروت: دار احیاء التراث العربی)، جلد 1، صفحہ 16۔

[59]۔ سورۃ البقرۃ:29۔

[60]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج1، ص74۔

[61]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج1، ص78۔

[62]۔ سورۃ البقرۃ:157۔

[63]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج1، ص141۔

[64]۔ سورۃ البقرۃ:221۔

[65]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج1، ص178۔

[66]۔ سورۃ البقرۃ:187۔

[67]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج1، ص158۔

[68]۔ بخاری، صحیح البخاری، جلد5، صفحہ2240۔

[69]۔ سورۃ البقرۃ:234۔

[70]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج1، ص185۔

[71]۔ سورۃ الصافات:16۔

[72]۔ قشیری، لطائف الاشارات، ج3، ص229۔